# یادِ رفتگاں

از

علامہ سید سلیمان ندویؒ

مجلس نشریاتِ اسلام

۱-کے-۳ ناظم آباد مینشن ○ ناظم آباد ۱ ○ کراچی ۱۸

سلسلہ مطبوعات ۶۴

# یادِ رفتگاں

از:-

علامہ سید سلیمان ندوی رح

ناشر:-

فضلِ ربی ندوی

مجلسِ نشریاتِ اسلام

۱-کے-۳، ناظم آباد مینشن، ناظم آباد ۱، کراچی ۱۸

اس قدامت خدمت اور مخلصانہ مذہبی و قومی خدمت گزاری کی مثال شاید ہی ملے۔

خیالی گنج میں ان کی بڑی اور وسیع کوٹھی، اُن کے عزیزوں کا مسکن، نو واردوں کا ماویٰ، غریبوں کا ملجا، بڑے بڑے قومی خادموں کی فرودگاہ، علمار فضلار اور صلحار کا مہبط اور مسلمانوں کے بڑے بڑے قومی جھگڑوں اور فیصلوں کی عدالت گاہ رہی ہے۔ گو سیلاب نکل جانے کے بعد بھی زمین پر اس کے آثار باقی تھے، افسوس ہے کہ منشی صاحب مرحوم کی وفات کا حادثہ پچھلے دَور خدمت کے قدیم جواہر فضائل کو بھی اپنے ساتھ لے گیا، اِنّا للہ، اب اُن کے جانشین فرزندوں منشی محمد انعام علی اور منشی محمد احترام علی صاحب سے امید ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کے نیک نام کو اپنی خدمات سے زندہ رکھیں گے۔

ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ

مئی ۱۹۴۳ء



# موتُ العَالِم موت العَالَم

## حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

محفل دوشیں کا وہ چراغِ سحر جو کئی سال سے ضعف و مرض کے جھونکوں سے بُجھ بُجھ کر سنبھل جاتا تھا، بالآخر ۸۲ سال ۳ ماہ ۱۰ روز جل کر ۱۵ رجب ۱۳۶۲ھ کی شب کو ہمیشہ کے لئے بُجھ گیا۔

داغِ فراق صحبتِ شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

یعنی حکیم امت، مجدد طریقت، شیخ الکل حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرض ضعف و اسہال میں کئی ماہ علیل رہ کر ۱۹ اور ۲۰ جولائی کی درمیانی شب کو ۱۰ بجے نماز عشار کے وقت اس دار فانی کو الوداع کہا اور اپنے لاکھوں معتقدوں اور مریدوں اور مستفیدوں کو غمگین و مہجور چھوڑا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اب اس دور کا بالکلیہ خاتمہ ہوگیا، جو حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، مولانا یعقوب صاحب نانوتوی، مولانا قاسم صاحب نانوتوی، مولانا شیخ محمد صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یادگار تھا اور جس کی ذات میں حضرات چشت اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید احمد بریلوی کی نسبتیں یکجا تھیں، جس کا سینہ چشتی ذوق و عشق اور مجددی سکون و محبت کا مجمع البحرین تھا، جس کی زبان شریعت و طریقت کی وحدت کی ترجمان تھی، جس کے قلم نے فقہ و تصوف کو ایک مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باہم ہم آغوش کیا تھا اور جس کے فیض نے تقریباً نصف صدی تک اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے اپنی تعلیم و تربیت اور تزکیہ و ہدایت

یہ ہوتا ہے کہ مصنف جس موضوع پر قلم اٹھاتا ہے، اس کو اس میں ایسا غلو ہو جاتا ہے کہ دوسرے گوشوں سے اُس کو ذہول ہو جاتا ہے، حضرت کی تصانیف کی خاص بات یہ ہے کہ قلم ہر ایک کی احتیاط اور رعایت کرکے اور غلو سے بچ کر اس طرح نکلتا ہے کہ جاننے والوں پر حیرت چھا جاتی ہے، حضرت کا ترجمۂ قرآن پاک تاثیر، سہولت بیان اور وضوح مطالب میں اپنا آپ نظیر ہے، بہشتی زیور کہنے کو تو عورتوں کی کتاب ہے، مگر فقہ حنفی کی ضروریات کے لئے انتہائی احتیاط و کاوش کا نتیجہ ہے، تفسیر القرآن کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ روح المعانی اور تفاسیر ماسبق کی اُردو میں حد درجہ محتاطانہ ترجمان ہے، سلوک وطریقت کی کتابوں کا بھی یہی حال ہے۔

حضرت کی تجدید طریقت کا بڑا کمال یہ ہے کہ طریقت کو جو ایک زمانہ سے صرف چند رسوم کا مجموعہ ہو کر رہ گئی تھی، زوائد و حواشی سے صاف کرکے قدماء اور سلف صالحین کے رنگ پر لے آئے۔

کبھی فرصت سے سُن لینا بڑی ہے داستان میری

**علالتِ طبع:** حضرت کی صحت ادھر چند سال سے رُوبانحطاط تھی، دو دفعہ خاص علاج کی غرض سے لکھنؤ تشریف لانا ہوا اور دونوں دفعہ صحت وعافیت کے ساتھ مراجعت ہوئی، علالت اصلی یہ تھی کہ معدہ وجگر کا فعل صحیح نہیں رہا تھا، علاج سے طبع مبارک اصلاح پذیر ہو جاتی تھی، مگر بالکلیہ ازالہ نہیں ہوتا تھا، اس دفعہ تین ماہ سے طبیعت پر اضمحلال طاری تھا، چنانچہ علاج کے لئے سہارنپور تشریف لے گئے اور چند روز قیام فرماکر واپس تشریف لے گئے، لیکن طبیعت صاف نہیں ہوئی، وطن میں حکیم سعید صاحب گنگوہی کا علاج شروع ہوا اور ورم جگر ومعدہ کا مرض تشخیص ہوا مگر فائدہ نہ ہوا، اشتہا ساقط تھی، روزانہ اسہال کی تعداد چالیس پچاس تک پہنچ گئی اور ضعف روز بروز بڑھتا گیا، وصال سے قریب بیس روز پہلے حکیم خلیل صاحب سہارنپوری کا علاج



شروع ہوا، ضعفِ معدہ اور ضعفِ جگر کی تجویز تھی، حکیم صاحب کے علاج سے دستوں میں کمی آگئی، مگر اشتہا بالکل ہی ساقط تھی اور ضعف میں ترقی ہی ہوتی رہی۔

**میری آخری حاضری:** خاکسار جون کے آخر میں اپنے مستقر سے تھانہ بھون اور پھر بھوپال کے ارادہ سے روانہ ہوا، لیکن لکھنؤ پہنچ کر دار العلوم ندوہ کے معاملات نے الجھا دیا، لکھنؤ میں ہر روز حضرت کی شدتِ علالت کی اطلاعیں آرہی تھیں، حضرت کے ہزاروں معتقدوں کی طرح خاکسار بھی زیارت کے لئے بے چین تھا، حضرت کی طرف سے سخت قدغن تھی کہ باہر لوگوں کو اس شدتِ علالت اور کیفیتِ مزاج کی کوئی اطلاع نہ دی جائے تاکہ مخلصین میں اضطراب نہ پیدا ہو، اور وہ سفر کی زحمت نہ اٹھائیں، جو پہنچ جاتے تھے عام طور سے بطور تنبیہ ان کو اندر جانے کی اجازت نہیں ملتی تھی، اس پر بھی خاکسار خلاف دستور بے اطلاع ۶، جولائی کو لکھنؤ سے روانہ ہو گیا اور ۷، کی دوپہر کو عین بارش کی حالت میں اسٹیشن سے خانقاہ تک پیادہ پا بھیگتے ہوئے پہنچا، دریافتِ حال سے معلوم ہوا کہ افاقہ کی صورت ہے، جس سے تسکین ہوئی، میرا اس طرح خلافِ دستور بے اطلاع اچانک پہنچ جانا حضرت کے لئے تعجب کا موجب ہوا، میری آمد کے خبر دینے والے سے پوچھا "تم مولوی سلیمان کو پہچانتے بھی ہو یا یونہی کہہ رہے ہو" اس نے اثبات میں جواب دیا تو ارشاد ہوا کہ ان کی عادت بے اطلاع آنے کی نہ تھی، حضرت کے عزیز خاص مولانا جمیل احمد صاحب نے عرض کی علالت کی سن کر چلے آئے ہونگے۔

نماز ظہر کے بعد مجلس میں حاضری ہوئی، ضعف سے بستر پر لیٹے تھے، مصافحہ فرمایا، خاکسار نے دستِ مبارک کو بوسہ دیا، شفقت سے بشاشت ظاہر فرمائی، سفر کا حال پوچھا، کسی خادم کے ساتھ نہ لینے پر نصیحت فرمائی، قیام کے دن پوچھے، خاکسار نے بھوپال کے سفر کی ضرورت ظاہر کی کہ سرکار بھوپال نے اپنی ریاست میں مسلمان عورتوں کے طلاق وتفریق کے مسائل کے طے کرنے کے لئے علماء اور اہل قانون کی ایک مجلس مقرر کی ہے، اسی کی

شرکت کے لئے مع مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب یہاں سے جانا چاہتا ہوں، اس لئے مجلس کی تاریخ کی اطلاع تک یہاں چند روز رہنا چاہتا ہوں۔

فرمایا اللہ تعالیٰ والیہ بھوپال پر رحمت فرمائے کہ انہوں نے مسلمان عورتوں کے حال پر رحم کھایا، خاکسار نے عرض کی کہ حضرت وہاں اب والیہ نہیں، والی ہیں، فرمایا، ٹھیک ہے، غرض اس حالت میں بھی کہ ضعف پوری شدت پر تھا، تکلم میں تکلف تھا، پھر بھی حاضرین مجلس پر شفقت فرماکر ملفوظات سے ذرا تھم تھم کر بہرہ ور فرمارہے تھے اور لوگوں کے آئے ہوئے خطوط سن رہے تھے اور بدستور جواب لکھوا رہے تھے، بلکہ بعض بعض خطوط پر خود دستِ مبارک سے بھی لکھ دیتے تھے، کبھی جو قوت پاتے اور اس وقت کام کرنے لگتے یا ملفوظات ارشاد فرمانے لگتے تو تھوڑی کے لئے حاضرین کو یہ خیال ہونے لگتا کہ حضرت بیمار ہی نہیں، مگر ادھر جوشِ بیاں کم ہوا اور ادھر سر تکیہ پر رکھ دیا، ہمیشہ کی عادت یہ تھی کہ بڑا تکیہ پیٹھ سے لگا کر سر کو بے سہارے اونچا رکھتے تھے، یہی حال اس وقت بھی تھا دیکھنے والوں کو تکلیف معلوم ہوتی اور اس مشورہ کو جی چاہتا تھا کہ دوسرا تکیہ اور رکھ کر اس پر حضرت سر مبارک کو رکھ لیں، چنانچہ میں نے اس سلسلہ میں یہ عرض کیا، تو ارشاد ہوا نہیں، اس کی حاجت نہیں، بعد میں خواجہ صاحب (خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری ریٹائرڈ انسپکٹر آف اسکولس یوپی، جو حضرت کے خلیفہ خاص، محرم خاص بلکہ خادم خاص ہیں) نے فرمایا کہ حضرت کی ہمیشہ کی عادت یہی ہے، اس ضعف و اضمحلال کی حالت میں بھی مجلس کا وقار، نظم و ضبط اور اصول و قواعد کی پابندی بدستور جاری تھی اور اخیر لمحۂ حیات تک اس میں فرق نہیں آیا۔

عصر کے وقت مجلس برخاست ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ کھانے کے الگ انتظام کی ضرورت نہیں، چند روز کے مہمانوں کے لئے اس کی ضرورت نہیں، بڑے گھر سے کھانا جائے گا اور ایک خادم خاص کو اس کی ہدایت فرمائی، اس ناسزاوار کے لئے تو یہ خیر و برکت



کا سامان تھا، یہ بھی ارشاد ہوا کہ جب چاہو اور جس وقت چاہو آسکتے ہو، کوئی قید نہیں، یہاں سے اٹھ کر جب خانقاہ پہنچا تو بعد نماز حضرت والا کی طرف سے حضرت کی آخری تصنیف بوادر النوادر کا ایک نسخہ مولانا جمیل احمد صاحب نے ہدیہ لاکر عنایت فرمایا اور یہ ارشاد سامی پہنچایا کہ میرے مضامین سے اقتباسات جمع کر کے شائع کرو، اس حکم کو اپنی ہدایت و رہنمائی کا نسخہ سمجھ کر اپنی سعادت کا اظہار کیا، دوسرے دن حاضری کے موقع پر حضرت نے اپنی زبانِ مبارک سے خود یہ ارشاد فرمانا چاہا تو خاکسار نے حضرت کی زحمت تکلم کے خیال سے عرض کیا کہ یہ ارشاد مبارک مولانا جمیل احمد صاحب کے ذریعہ پہنچ چکا، مگر وہاں سے اُٹھنے کے بعد مولانا جمیل صاحب سے جب میں نے پوچھا کہ حضرت کا مقصود کیا ہے، یعنی اس کتاب بوادر سے اقتباس یا عام کتابوں سے، انہوں نے فرمایا اس کو میں نے اچھی طرح خود بھی نہیں سمجھا، بعد کی حاضری میں موقع پاکر میں نے تفصیل چاہی تو ارشاد ہوا نہیں، عام کتابوں میں جو مضمون مفید نظر آئیں، ان کو یکجا کرلیا کرو۔

**آخری حالات:** میری حاضری ۷؍ جولائی سے ۱۱؍ جولائی کی دوپہر تک رہی، استفراغ کا سقوط اور ضعف کا استیلا اپنی حالت پر رہا، دست پانچ، چھ، سات تک آتے رہے، مزید یہ کہ ہاتھوں اور پاؤں پر ورم تھا، ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کے ناخنوں میں نیلاہٹ نمودار ہوگئی تھی، جو باعثِ تشویش تھی، دو روز کے بعد اس میں کمی آگئی، مگر وفات کے چند روز بیشتر وہ پھر عود کر آئی تھی۔

خدمت اور خاص کر رات کے وقت نوبت بہ نوبت جاگ کر خدمت کی سعادت خدام خاص کی قسمت میں آئی، جن میں پہلا درجہ خواجہ صاحب کا ہے، ان کے علاوہ مولانا جمیل احمد صاحب، بندو میاں (ملازم نواب صاحب باغپت) اور مولوی شبلی صاحب جونپوری نے اس خدمت خاص کی سعادت اخیر تک پائی، بعد کو مولانا ظفر احمد

صاحب بھی ڈھاکہ سے آکر اس میں شامل ہو گئے۔

حاضری کے دوسرے یا تیسرے دن استفسار ہوا کہ کھانا تو مزاج کے موافق ہوتا ہے، عرض کی کہ بالکل مطابق ہے۔ کس تواضع اور کس شفقت اور کس بلاغت سے ارشاد ہوا کہ میں معافی کا خواستگار نہیں مستحق ہوں، اس نکتہ پر اہل ذوق نے تحسین کی سعادت پائی کہ ضعف و نقاہت کے اس عالم میں بھی دل و دماغ ناقصوں کی تربیت میں مصروف ہیں اور اکرام ضیف کا نمونہ پیش کیا جارہا ہے۔

دو تین واقعے ذکر کے قابل ہیں، اسی اثنائے حاضری میں بنگال سے ایک معتقد با اخلاص کا خط آیا، جس میں لکھا تھا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب نبیؐ کی وفات کا وقت آتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اختیار دیتے ہیں کہ خواہ وہ دنیا میں رہنا پسند کرے یا اللہ تعالیٰ کے یہاں جانا، یہ تمہید لکھ کر اس میں تھا کہ میرے اعتقاد میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متبعین خاص کو بھی اس اختیار خاص سے حسب استعداد حصہ ملتا ہوگا، اس لئے عرض ہے کہ ہم ناقصوں کی تربیت کے لئے حضرت والا چند روز اور اس دنیا میں قیام منظور فرمائیں" خط کے جواب میں لکھوا دیا "تم اپنے دماغ کا کسی حاذق طبیب سے علاج کراؤ" پھر حاضرین سے خطاب کر کے فرمایا "اول تو یہ ثابت نہیں کہ جو انبیاء (علیہم السلام) کو ملتا ہے، اس میں اولیاء و مشائخ کو بھی حصہ ضروری ملتا ہے" اور اس کے بعد فرمایا "اور اگر ایسا بھی ہو تو انبیاء نے کیا کیا؟ (یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب ہی کو حیاتِ دنیا پر ترجیح دی)۔

ایک دفعہ بعد ظہر خط لکھوا کر فارغ ہو چکے تھے کہ اونگھ آگئی، ہوشیار ہوتے تو فرمایا کہ ایسا معلوم ہوا کہ اس تخت پر ایک لفافہ رکھا ہے جس پر عبدالعزیز لکھا ہے" خواجہ صاحب نے عرض کی ابھی حضرت نے خطوط لکھوائے ہیں وہی خیال قائم رہا، ارشاد ہوا، ہاں یہ سچ ہے، مگر عبدالعزیز نام کیوں ہے، بات ختم ہوگئی، مجلس کے برخاست



کے بعد خواجہ صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کی عمر کیا تھی؟ میں نے کہا اسّی بیاسی ۸۲ برس یاد آتا ہے (اب دارالمصنفین آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی عمر شریف اکاسی ۸۱ برس کے قریب یعنی اسّی ۸۰ برس کچھ مہینے ہوئی ہے، بہرحال اس سے خواجہ صاحب کی نکتہ شناس نظر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تشابہ حال پر پہنچ گئی۔

ہر چند یہ تاکید تھی کہ شدت علالت کی اطلاع کسی کو نہ دی جائے، احباب اشارات و تلمیحات اور اطلاعات میں اپنے متعلقین اور دوستوں کو اطلاع دیتے تھے، غرض یہ تھی کہ زائرین ہجوم نہ کریں، اس پر بھی دور دور سے معتقدین آجاتے تھے، ایک صاحب نے پشاور سے آنے کی اطلاع کرائی، دوسرے نے گورکھپور سے، کسی نے کسی اور دور مقام سے مگر ہر ایک سے یہی ارشاد ہوا کہ اجازت نامہ کہاں ہے، جب وہ معذوری ظاہر کرتے اور اعترافِ قصور کرتے تو فرماتے تمہاری غلطی کا خمیازہ میں کیوں اٹھاؤں، پھر حاضرین کی طرف خطاب کر کے فرمایا ان کو میں محروم کر کے بھی محروم نہیں کرتا ہوں، ایک سبق دے رہا ہوں، پھر اسی معنی کا خواجہ صاحب کا ایک مصرعہ پڑھا، پھر ارشاد فرمایا کہ ان کے ناکام واپس جانے کا یہ اثر ہوگا کہ اس کو سن کر دوسرے لوگ آنے سے رک جائیں گے اور اس سے ان کو فائدہ پہنچے گا، غرض یہ تھی کہ لوگ اس بے کار کی زحمت اور تکلیف سے خود بھی بچیں اور حضرت کو بھی ہجوم سے بچائیں۔

ایک روز بعد مغرب یاد فرمایا اور مشورہ چاہا کہ اشتہا مطلق نہیں اور ضعف بڑھ رہا ہے، گو میں اس کے نتیجہ پر راضی ہوں، مگر بہرحال اگر اس کی تدبیر کوئی ضروری ہو تو کرنا چاہیے" اس اثناء میں خیال ظاہر فرمایا کہ "لکھنؤ میں ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب (ناظم ندوہ) کو (جو مزاج شناس تھے) لکھا جائے کہ صرف اشتہا پیدا ہونے کے لئے کوئی نسخہ تجویز کریں" خاکسار نے عرض کی کہ حضرت چار روز خط کے جانے میں اور چار روز آنے میں

جنازہ کی نماز کے لئے مولانا شبیر علی صاحب نے مولانا ظفر احمد صاحب کو اشارہ کیا، مجھے معلوم ہوا کہ پہلے تو مولانا ظفر احمد صاحب نے تواضع کرنا چاہا مگر انہیں اپنا خواب یاد آیا تو آگے بڑھے اور نماز جنازہ ادا کی، میں نے سنا کہ مولانا ظفر احمد صاحب ڈھاکہ میں تھے اور حضرت کی شدتِ علالت کی خبریں جا رہی تھیں اور گھر سے آنے کے لئے شدید تقاضا بھی ہو رہا تھا تو انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ تھانہ بھون پہنچے اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ایک نماز پڑھانے والا آگیا۔

یہ واقعات تھانہ بھون میں ۱۹ اور ۲۰ جولائی کو پیش آئے، مگر باہر والوں کو اطلاع دو دن بعد ملی، دہلی میں ۲۱ کو لکھنؤ میں ۲۲ کو، مذہبی حلقوں کو اطلاع دو دن بعد ملی اور عربی مدرسوں میں سناٹا چھا گیا۔

خاکسار اب تک بھوپال میں تھا بعنایت الٰہی دیکھئے کہ عین شب وصال کو خواب دیکھا کہ مولانا شبیر علی صاحب مجھ سے فرما رہے ہیں کہ حضرت مولانا کو پوری صحت ہوگئی صبح اٹھ کر میں نے حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ سے یہ خواب بیان کیا، دونوں چُپ رہے، مفتی صاحب ۲۱ جولائی کو اور خاکسار ۲۳ جولائی کو بھوپال سے روانہ ہوئے، میں ۲۴ کی دوپہر کو لکھنؤ پہنچا اور ندوہ آیا، حادثہ سے بالکل بے خبر تھا۔ مدرسہ پہنچنے کے ساتھ میرے بچے سلمان سلمہ نے سب سے پہلے خبر دی اور اتفاق دیکھئے کہ بھوپال سے خط تو میں نے خیر خیریت کے لئے مولانا جمیل احمد کو لکھا تھا چنانچہ انہوں نے دوشنبہ کے روز شدتِ علالت اور مایوسی کی اطلاع لکھی اور اس کی دوسری طرف بلا توقع مولانا شبیر علی صاحب کے قلم کی عبارت یہ تھی۔

حضرت مخدوم معظم دام ظلکم العالی السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

بعد تحریر خط ہذا ۱۹، ۲۰ جولائی کی درمیانی شب میں حضرت والا کا وصال



ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، بجز اطلاع کے اور کیا عرض کر سکتا ہوں۔ کیونکہ الفاظ اظہار کے لئے نہیں ملتے۔

مصیبت زدہ شبیر علی

۲۴ کو سہارنپور اور دہلی سے مولانا زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور اور مولانا الیاس صاحب کاندھلوی لکھنؤ دار العلوم میں آئے تو مزید اطلاعات اور تفصیلات معلوم ہوئیں، ۲۶ جولائی کا لکھا ہوا مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا غم نامہ ملا۔

مکرم محترم، دامت معالیہم،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید ہے کہ اب آپ بھوپال سے واپس آگئے ہوں گے، میں نے دہلی پہنچ کر حضرت مولانا تھانوی کے وصال کی خبر سنی، آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا، فوراً یاد آیا کہ جس شب کو مولانا نے دنیا کو چھوڑا یعنی دوشنبہ سہ شنبہ کی درمیانی شب، اسی رات کی صبح کو جناب نے بھوپال ــــ میں مجھ سے ذکر کیا تھا کہ آپ نے مولوی شبیر علی صاحب کو خواب میں دیکھا کہ وہ کہہ رہے ہیں حضرت بالکل صحت یاب ہوگئے، آپ کا خواب سچا ہوا، مولانا نے دنیا کی تکالیف سے بالکل صحت پائی، اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً واسکنہ الفردوس الاعلیٰ، ہندوستان ایک حکیم الامۃ مجدد الملۃ سے محروم ہوگیا۔"

حضرت کے ایک خلیفہ نے جن کو صدق رؤیا کی نعمت ملی ہے، وصال کی دوسری یا تیسری شب کو خواب میں دیکھا کہ حضرت فرما رہے ہیں کہ میرے فیوض اب بھی جاری رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے مجھے مقام شہداء (فرمایا یا مقام شہود) عطا فرمایا، حضرت نے اسہال کے مرض سے وفات فرمائی اور حدیث نبوی ہے والمبطون شہید (پیٹ کی بیماری

سے مرنے والا شہید ہے۔

مجھ سے مولوی محمد حسن صاحب کاکوروی (علیگ) مالک انوار المطابع لکھنؤ نے جو حضرت کے خدام قدیم میں سے ہیں بیان کیا اور انہوں نے خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری بی، اے (علیگ) سے سُنا ان کو چھوٹی پیرانی صاحبہ سے معلوم ہوا (خواجہ صاحب کی اہلیہ بھی ساتھ تھیں) کہ جس وقت رُوحِ مبارک پرواز کر رہی تھی حضرت کے داہنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کے بیچ میں ایک نگینہ سا چمکتا معلوم ہوتا تھا، جس کو انہوں نے دیکھا اور دوسری عورتوں نے بھی دیکھا" محرم خاص حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ چونکہ جو نور ہدایت حضرت کے ذریعہ پھیلا وہ زیادہ تر ان کی انگلیوں یعنی تصنیفات کے ذریعہ سے پھیلا، اس لئے وہ نور انگلیوں ہی کے درمیان ممثل ہو کر نظر آیا، واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت کے بہت سے محبّین کی طرح ایک محب خاص مولانا مسعود علی صاحب ندوی کو اس عقیدت وعظمت کی بنا پر جو اُن کے دل میں تھی حضرت کی مغفرت کے لئے دعا مانگنے میں دلی کشمکش محسوس ہوتی تھی، انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ خانقاہ تھانہ بھون میں حاضر ہیں کہ دفعۃً حضرت تشریف لے آئے اور ان سے فرمایا کہ میری صحت کے لئے دعا مانگا کرو۔

حل این نکتہ ہم از روئے نگار آخر شد

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ایک کامل زندگی کو جو کمال زہد وورع، کمال اتباع شرع، کمال اتباعِ سنّت کے ساتھ تھی، اس زمانہ میں نمونہ کے لئے پیدا کیا، وہ آئی اور ساٹھ برس کے مجاہد کا نمونہ دکھا کر واپس گئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ وادخلہ اعلیٰ علیین وصلی اللہ تعالیٰ علی النبی الامین وآلہ واصحابہ اجمعین واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔



# سیّد محفوظ علی صاحب بدایونی مرحوم

اسی مہینہ میں ۱۰ر اکتوبر کو ایک اور پُرانے ادیب سید محفوظ علی صاحب بدایونی مرحوم نے فالج کے مرض میں انتقال کیا، مرحوم بدایوں کے ایک قدیم اور شریف خانوادہ کی یادگار علیگڑھ کالج کے ممتاز تعلیمیافتہ اپنے دور کے نامور ادیب اور علیگڑھ منتھلی، اولڈ بوائے، دکن ریویو، نقیب اور ہمدرد کے دور اوّل کے ممتاز لکھنے والوں میں تھے اور اس زمانہ میں ان کے مضامین بڑے ذوق وشوق سے پڑھے جاتے تھے، وہ سنجیدہ اور ظریفانہ دونوں طرز کے شگفتہ نگار ادیب تھے، غالباً متفرق مضامین کے علاوہ کوئی مستقل قلمی یادگار نہیں چھوڑی، ادھر برسوں سے علم وادب کا کوچہ چھوڑ کر خلوت گزینی کی زندگی اختیار کر لی تھی، وہ ابتدا سے بڑے دیندار اور ظاہری وضع وقطع میں بھی پابند شریعت تھے، ناواقف شخص ان کو دیکھ کر انگریزی تعلیمیافتہ ہونے کا گمان بھی نہیں کر سکتا تھا اور یہ رنگ برابر گہرا ہوتا گیا، آخر میں بڑا ذوق وشوق اور بڑی کیفیت پیدا ہو گئی تھی اور اسی پر ان کا خاتمہ ہوا، اللہ تعالیٰ اس طالب آخرت کو اپنی رحمت ومغفرت سے سرفراز فرمائے، ہماری پرانی بزم ادب کی شمعیں ایک ایک کر کے بجھتی جاتی ہیں، جو باقی ہیں وہ بھی شمعِ سحر ہیں اور جب تک ہیں غنیمت ہیں، ان کے بعد یہ روشنی بھی نظر نہ آئے گی۔

مرحوم مولانا شبلی مرحوم کے زمانہ میں علیگڑھ میں پڑھتے تھے، اس نسبت سے ان کو میرے ساتھ بھی یک گونہ محبت سی تھی اور خصوصیت کی ملاقات مرحوم دوست مولانا عبدالماجد صاحب بدایونی کی وساطت سے ہوئی اور ایسی ہوئی جو اُن کے اخیر لمحہ تک قائم رہی، وہ اپنے مذہبی انقلاب کا ایک عجیب ظریفانہ واقعہ بیان فرماتے تھے۔

ایک دفعہ گرمیوں میں وہ علی گڑھ سے کہیں جا رہے تھے، پیاس شدت کی تھی، گاڑی میں